Article

Feminism and Islam: A study of Maulvi Syed Mumtaz Ali's thought in perspective of *'Huqooq e Niswan'*.

تانیثیت اور اسلام: 'حقوقِ نسواں' کے تناظر میں مولوی سید ممتاز علی کے افکار کا مطالعہ

Dr Shafique Anjum

Associate Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad

Correspondence: mushafique@numl.edu.pk

ڈاکٹر شفیق انجم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract: Islam is a religion of nature and it has given mankind a complete code of life. However, the understanding, interpretation and application of Islamic concepts and rules have been different in different times and in different societies. The Islamic concept of woman is also a subject with a variety of interpretations. Traditionally and generally, the interpretation is well-known that Islam has made the female caste subordinate to the male and has given preference to the male. The same interpretation prevailed in Indian culture and the role of women in society was determined accordingly. Maulvi Syed Mumtaz Ali, a prominent nineteenth-century religious scholar, does not accept this prevailing notion of masculine virtue. In his view, masculine virtue is just a religion of illusion, ignorance and cultural traditions. Islam has nothing to do with it. The cruelty is that people misinterpreted Qur'anic verses and hadiths as evidence to prove this ignorant notion. To illustrate his point, he wrote a book in 1898 entitled Feminist Rights, which strongly criticized the notions of gender discrimination and cultural attitudes. He has argued in this book that all notions of masculine virtue are based on ignorance and prejudice. Islam has nothing to do with them. This article examines the feminist thought of Maulvi syed Mumtaz Ali in perspective of his book 'Huqooq e Niswan' and also discusses his scholarly abilities, biography and services.

Key words: Islam, Feminism, Islamic Feminism, Women Rights, Masculine virtue, British Raj, Urdu Literature, Maulvi Mumtaz Ali, Indo-Muslim Society, Culture, Cultural study.

اسلام دین فطرت ہے اور اس نے نوع انسانی کو ایک مکمل ضابطہ حیات دیا ہے۔ تاہم مختلف زمانوں اور مختلف معاشروں اسلامی تصورات اور احکام کی تفہیم، تعبیر اور عملی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ اسلامی تصور عورت بھی ایسا ہی ایک موضوع ہے جس کی تعبیرات میں تنوع ملتا ہے۔ روایتی اور عمومی طور پر یہ تعبیر معروف ہے کہ اسلام نے عورت کی ذات کو مرد کے تابع رکھا ہے اور مرد کو فضیلت دی ہے۔ ہندوستانی تمدن میں بھی یہی تعبیر رائج رہی اور اسی کے مطابق سماج میں عورت کا کردار طے ہوتا رہا۔ انیسویں صدی کے ممتاز مذہبی سکالر مولوی سید ممتاز علی مردانہ فضیلت کے اس رائج تصور کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں مردانہ فضیلت محض ایک وہم، جہالت اور تمدنی روایات کی دین ہے۔ دین اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ظلم یہ کہ اس جاہلانہ تصور کے اثبات کے لیے لوگوں نے قرآنی آیات اور احادیث کی غلط تعبیر کر کے بطور دلیل پیش کیا۔ انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے 1898ء میں 'حقوق نسواں' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں صنفی امتیاز پر مبنی تصورات اور تمدنی رویوں پر زبردست تنقید کی۔ انھوں نے اس کتاب میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مردانہ فضیلت کے تمام تصورات جاہلانہ اور تعصب پر مبنی ہیں۔ اسلام کا ان سے کچھ تعلق نہیں۔ اس آرٹیکل میں مولوی ممتاز علی کے افکار کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور ساتھ ہی ان کی علمی لیاقت، سوانح اور خدمات پر بھی گفتگو ہے۔

تانیثیت [فیمنزم] کیا ہے؟ اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ تانیثیت ہر شعبہ زندگی میں خواتین کی مساوی نمائندگی اور حقوق کی آواز ہے۔ اس میں حق زندگی سے حق شناخت تک کے تمام پہلو شامل ہیں۔ یہ آواز تقاضا کرتی ہے کہ عورت کو بہ طور شے نہیں بلکہ بہ طور موضوع دیکھا جائے۔ نسلی امتیاز کی طرح صنفی امتیاز بھی ایک جاہلانہ رسم ہے۔ قدیم پدری نظام نے اس سوچ کی پرورش کی ہے اور اب یہ دنیا بھر کے سماجوں میں ایک رواج بن کر جاری و ساری ہے۔ یہ سراسر تعصب اور تنگ نظری کی دین ہے۔ اور اگرچہ اس سوچ کو مذہبی، ثقافتی اور سیاسی طور پر پناہ گاہیں حاصل ہیں لیکن اس کی کوئی فلسفیانہ و منطقی اساس نہیں۔ یہ ایک غیر فطری تقسیم ہے جو اجارہ داری کی نشانی ہے۔ اس سوچ میں تبدیلی ناگزیر ہے تاکہ انسانی سطح پر برابری، آزادی اور عزت کے حقوق دنیا بھر کی عورتوں کو یکساں طور پر فراہم ہوں۔ بہ طور ایک تحریک تانیثیت کا آغاز انیسویں صدی کے اواخر میں یورپ سے ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا بھر میں پھیل گئی۔ پہلی لہر میں سماج میں عورت کی حیثیت اور اس کے معاشی و سیاسی حقوق کی آواز نمایاں تھی۔ لیکن بیسویں صدی میں اپنے پھیلاو کے ساتھ اس کی نئی لہریں بنیں اور دائرہ اثر بھی وسیع ہوا۔ اب یہ تحریک عالمگیر سطح پر خواتین کی کلی آزادی، خود مختاری اور لبرل صنفی شناخت کی نمائندہ تحریک ہے۔ اس تحریک نے سوچ کے

معیارات بدل کے رکھ دیے ہیں اور لسانی، ثقافتی، اور ادبی سطح پر ایک وسیع تر انقلاب کی بنیاد رکھی ہے۔ ترقی پذیر اور پابند معاشروں میں اس کے اثرات اگرچہ اب بھی محدود ہیں لیکن ترقی یافتہ اور آزاد معاشروں میں اس تحریک نے پدری طرز فکر پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ممتاز فیمنسٹ سکالر انیس ہارون لکھتی ہیں:

"فیمنزم' دنیا کے مختلف ممالک میں ان کے معاشرے، مزاج اور ضروریات کے مطابق شکل اختیار کرتا ہے۔ جس میں خود عورتوں کی اپنی تعلیم، شعور، کلاس اور ماحول کا دخل ہوتا ہے۔ عورتیں اپنی جدوجہد کے دوران 'پدر شاہی' کو سمجھنے، اس سے نجات حاصل کرنے اور ایک غیر استحصالی معاشرہ قائم کرنے کے مراحل سے گزرتی ہیں۔" [۱]

اسلامی تانیثیت کیا ہے؟ اس کا جواب کسی قدر پیچیدہ ہو سکتا ہے لیکن اگر دو سطحوں پر بات کی جائے تو جواب میں قدرے آسانی آسکتی ہے۔ پہلی سطح اسلام کی حقیقی اور بنیادی تعلیمات ہیں جن میں خدائی پیغام مرد اور عورت کی تخصیص کیے بغیر سب کے لیے ہے۔ قرآن میں فضیلت کا معیار مرد اور عورت کی نسبت سے نہیں بلکہ تقوٰی اور پرہیز گاری کی نسبت سے بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ سب کو خالق کائنات نے نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ دنیا میں زندگی گزارنے کے تمام اسباب سب کے استفادے کے لیے فراہم کیے گئے ہیں اور رزق، علم اور معرفت کے دروازے سب پر کھلے ہیں۔ سماجی اور عائلی حوالوں سے توازن اور انصاف کو ترجیح دی گئی ہے اور حقوق و فرائض کا بیان ہے تاکہ کوئی فریق دوسرے پر ظلم نہ کر سکے۔ تقدس اور عزت کے باب میں مرد اور عورت کے بجائے کردار کو بنیاد بنایا گیا اور اس میں بعض تخصیصی پہلو ایسے ہیں کہ واضح طور پر عورت کے شرف کو مقدم رکھا گیا ہے۔ ایک دو گنا نہیں بلکہ تین گنا مقدم رکھا گیا ہے۔

دوسری سطح مسلمانوں کی سیاسی تاریخ ہے جس میں ملوکی عہد سے لے کر اب تک کا زمانہ شامل ہے۔ اس میں عروج کے ادوار بھی ہیں اور زوال کے بھی۔ یہ سیاسی تاریخ ملکوں ملک پھیلی ہوئی ہے اور اس میں نسلی و ثقافتی سطح پر بہت تنوع ہے۔ اس سطح پر اسلامی تانیثیت کو سمجھنا اور بیان کرنا پیچیدہ معاملہ ہے کیونکہ یہاں ثقافتی روایات، سیاسی ترجیحات اور شخصی فہم کو بنیاد بنا کر سماجی درجہ بندی اور فضیلت و کمتری کے معیارات طے کرنے کے روایت مسلسل ہے۔ تمدنی ارتقاء میں عورت کا بہ طور ایک سامان عیش کے متصور ہونا اور لونڈی، باندی، کنیز، رکھیل اور طوائف کے روپ میں مخصوص و محدود کیا جانا ایک بد قسمت معاملہ ہے۔ لیکن اس سے بھی بد قسمت معاملہ مردوں کی برتری اور عورت کی کمتری کو طے شدہ نصیب اور خدائی منشا سے منسوب کر دینا ہے۔ یہ تصور اس قدر رائج اور راسخ ہے کہ اس کے متخالف کوئی بات کہنا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ تاویلات کا ایک نہ ختم ہونے والا

سلسلہ ہے جو ملوکی ادوار میں پروان چڑھا اور اب اس کی حیثیت جزو ایمان کی سی ہے۔ جاگیرداری نظام نے اس تصور کو وسعت دی اور بعد کے ادوار میں عورت کا پاوں کی جوتی ہونا، ڈھور ڈنگر ہونا اور نیچ پلید ہونا بعض معاشروں میں متھ بنتا چلا گیا۔ یہاں عورت کے لیے تعلیم کے دروازے بند کرنا ایک معمولی بات ہے کہ ایسی مجہول سوچ عورت کو ایک جنسی آلے کے علاوہ کچھ سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔اس سطح پر اسلامی تانیثیت کیا ہے کا جواب نہ صرف پیچیدہ بلکہ خطرات کو دعوت دینے والا ہے۔ بدقسمتی سے الہامی مذاہب میں یہودیت اور مسیحیت کی سیاسی تاریخ بھی ایسی ہی ہے۔ ان مذاہب میں مذہبی شارحین کی ابن الوقتی کی قرآن نے سخت مذمت کی اور تنبیہہ کی کہ خدا پر بہتان مت باندھو اور اپنے کہے ہوئے کو خدا کا کہا مت کہو۔ یہ معاملہ اسلام کی سیاسی تاریخ میں بھی درپیش رہا ہے۔ تاہم تمام تر گمراہ کن تاویلات کے باوجود یہ واضح ہے کہ اسلام وہی ہے جو خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ان کی اتباع کرنے والوں کے لیے پسند فرمایا، نہ وہ کہ جس کو مسلمان کہلانے والوں نے اپنی سہولت کے مطابق وضع کر لیا۔

اسلام کی حقیقی روح پیش نظر رہے تو اسلامی تانیثیت کے تصور کو سمجھنا آسان ہے۔ یہ اسلام پر مغربی تانیثیت تھوپنے کا معاملہ نہیں بلکہ مغربی تانیثیت کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے تناظر میں سمجھنے کا معاملہ ہے۔ اسلامی تانیثیت مغربی تانیثیت سے کہیں زیادہ طاقتور اور ہمہ گیر تصور رکھتی ہے اور صنفی امتیاز پر مبنی ہر قسم کے جاہلی رویے کا قلع قمع کرتی ہے۔ اس کی فکری اساس مضبوط ہے اور قرآن اور احادیث نبوی کے ذریعے اسے غیر مبدل بنیادیں دستیاب ہیں۔ بدقسمتی سے بعض ثقافتی تاویلات ان بنیادوں کو دھندلانے کا باعث بنتی رہی ہیں اور مرد مرکز معاشروں میں یہ موضوع گھمبیر ہوتا رہا ہے لیکن اسلام کی حقیقی تعلیمات کی خوبی یہی ہے کہ انھیں دھندلائے جانے کے باوجود دبا دیا جانا اور ختم کرنا ممکن نہیں۔ ہندوستانی تناظر میں دیکھا جائے تو یہاں بھی مختلف زمانوں میں ایسا ہوتا رہا ہے لیکن صداقت بہر طور اپنی اساسی بنیادوں پر قائم رہی ہے۔ 'حقوقِ نسواں' میں مولوی سید ممتاز علی نے انھی اساسی بنیادوں کی بازیافت کی سعی کی ہے اور اپنے زمانے کے رائج جاہلانہ تصورات کا پردہ چاک کیا ہے۔ یہاں یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سید ممتاز علی کس اعلیٰ درجے کی علمی شخصیت تھے تاکہ زیر بحث موضوع پر ان کی علمی رائے کو ایک عالم کی عام رائے کے بجائے ایک حقیقی، سنجیدہ، اور قابل بھروسہ سند کے طور پر پیش نظر رکھا جا سکے۔

شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی انیسویں کے ہندوستان کی ایک معروف علمی و ادبی شخصیت تھے۔ وہ سید ذوالفقار علی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے فرزند تھے جن کے اجداد کا وطن دیوبند تھا۔ سید ممتاز علی ۲۷ ستمبر ۱۸۶۰ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے،

لاہور میں سکونت اختیار کی، لاہور میں وفات پائی اور دیوبند میں دفن ہوئے۔ آپ مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد، شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہم درس اور سر سید احمد خان کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ مولانا حالی، شبلی، نذیر احمد، محمد حسین آزاد اور مولوی ذکاءاللہ سے ان کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ آپ عربی کے فاضل، فارسی کے عالم، انگریزی کے مترجم اور اردو کے ادیب تھے۔ ۱۸۹۸ء میں آپ نے لاہور میں 'رفاہ عام پریس' اور 'دار الاشاعت پنجاب' کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا۔ یکم جولائی ۱۸۹۸ء کو اپنی نگرانی میں ہفتہ وار اخبار 'تہذیبِ نسواں' کے نام سے جاری کیا۔ اخبار کا یہ نام سر سید کا تجویز کردہ تھا۔ اس کی ادارت آپ کی زوجہ محمدی بیگم نے کی۔ یہ اعلیٰ درجے کا نسائی پرچہ تقسیمِ ہند کے بعد تک نکلتا رہا اور مقبولیت میں رجحان ساز ثابت ہوا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو آپ نے بچوں کے لیے اخبار 'پھول' جاری کیا جو ۱۹۵۸ء تک شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۳۴ء میں حکومتِ وقت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔ آپ کی وفات ۱۵ جون ۱۹۳۵ء کو لاہور میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے سید امتیاز علی تاج کو یہ میراث منتقل ہوئی۔ ڈراما 'انار کلی' کے مصنف اور مجلس ترقی ادب کے ناظم سید امتیاز علی تاج اردو دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

مولوی سید ممتاز علی کی تالیفات و تراجم میں: ۱۔ حقوق نسواں، ۲۔ سبیل الرشاد، ۳۔ ثبوت واجب الوجود، ۴۔ خزینہ الاسرار، ۵۔ شیخ حسن، ۶۔ تذکرۃ الاولیاء، ۷۔ ترجمہ زاد المعاد، ۸۔ ترجمہ المنقذ من الضلال، ۹۔ ترجمہ خیر المقال، ۱۰۔ محاکمہ ولادت مسیح، ۱۱۔ رد الملاحدہ، ۱۲۔ فارسی آموز، ۱۳۔ تفصیل البیان فی مقاصد القرآن [۷ جلدیں] اور بچوں کے لیے متعدد درسی کتب شامل ہیں۔ [۲]

اس مختصر سوانحی اندراج کے بعد ہم ان توضیحات کی طرف آتے ہیں جو مولوی ممتاز علی نے عورت کے حوالے سے ہندوستان کی مرد مرکز ثقافتی توضیحات کے رد میں پیش کی ہیں اور اسلام کا حقیقی تصورِ عورت ایک دلپذیر صورت میں ذہن نشین کرایا ہے۔ مولوی صاحب کے پیش نظر موضوع کا بنیادی قضیہ 'مرد کی عورت پر فضیلت' رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس قضیے میں فضیلت، برتری اور حاکمیت کے تصورات پر سوال اٹھائے ہیں اور ان رائج تصورات کی کمزور علمی و دینی حیثیت پر بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں مرد کی عورت پر فضیلت کے ضمن میں ثقافتی و تمدنی توجیہات میں بہ کثرت و تواتر درج ذیل دلائل دیے جاتے ہیں:

۱۔ "مردوں کو خدا تعالیٰ نے طاقت جسمانی عورتوں سے زیادہ عطا کی ہے۔

۲۔ مردوں کے قوی عقلی بھی اپنے قوی جسمانی کے متناسب عورتوں کے قوی عقلی سے بہت اعلیٰ و اقوی ہیں۔اسی واسطے عورتیں ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں ناقص العقل سمجھی گئی ہیں۔

۳۔ جس طرح جملہ نعمتہائے دنیاوی میں سلطنت افضل ہے اسی طرح جملہ انعام الٰہی میں سب سے بڑھ کر نبوت ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ مخصوص کی ہے اور کسی عورت کو دنیا کی ہدایت کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجا۔

۴۔ مذہباً مردوں کی فضیلت میں قرآن مجید کی وہ آیت نقل کی جاتی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ الرجال قوامون علی النساء اور اس کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

۵۔ خدا تعالیٰ نے اول حضرت آدم کو پیدا کیا پھر اس کے آرام کے لیے عورت کو پیدا کیا۔ اس لیے عورت کو مرد کا محکوم و خدمت گزار ہو کر رہنا اور اس کے آرام و خوشی کا ذریعہ بننا اور اس کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم رکھنا اصلی منشاء الٰہی معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ قرآن مجید میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار دینا اور تقسیم ترکہ میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف قرار دینا بھی مردوں کی فضیلت کی قطعی دلیل ہے۔

۷۔ مردوں کو ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہونا اور اس کا عکس جائز نہ ہونا بھی صاف ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو مردوں کی زیادہ مراعات منظور ہے۔

۸۔ عالم آخرت میں بھی مردوں کو نیک اعمال کے بدلے خوبصورت بیبیوں کے ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ مگر عورتوں کو نیک اعمال کے بدلے اس قسم کا وعدہ نہیں دیا گیا۔"[۳]

مولوی صاحب کے نزدیک ان دلائل میں کچھ بھی سچ نہیں۔ یہ سراسر باطل اور توہمات واوہام کا مجموعہ ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ میں "جو ان دلائل مذکورہ پر ذرا سا بھی غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلائل سراسر پوچ اور بے معنی اقوال ہیں جن کو نہ حجت شرعی کہہ سکتے ہیں، نہ برہانِ منطقی۔"[۴] اس رائے کو مولوی صاحب کی ایک سوچی سمجھی رائے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ یہ ایک ایسے عالمِ دین کی رائے ہے جس کے قلم سے 'تفصیل البیان فی مقاصد القرآن' جیسی عظیم تالیف سرزد ہوئی ہے اور جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: 'یہ کام دنوں یا مہینوں کا نہیں تھا بلکہ برسوں کا تھا۔ اور میں نے اپنی عمر کا بہت بڑا

حصہ قرآن مجید کی اس خدمت میں صرف کیا ہے۔' [۵] سات جلدوں کو محیط یہ تالیف امام غزالی کی 'جواہر القرآن' کی طرز پر ہے۔ یہ بتانا اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ بارِ دگر ذہن نشین رہے کہ درج بالا رائے قرآنی علوم کے ساتھ ایک عمر بسر کرنے والے ایک صائب الرائے عالم کی ہے۔ رائج تصورات کے بر خلاف کسی دوسرے تصور کو جگہ دینا یا قبول کرنا عام ثقافتی زمروں میں بھی ایک مشکل کام ہوتا ہے چہ جائیکہ مذہبی پس منظر میں کسی قبولے ہوئے تصور پر سوال اٹھایا جائے۔ نہ صرف سوال اٹھایا جائے بلکہ اسے سراسر پوچ اور بے معنی کہا جائے۔ تو یقینی طور پر یہ ایک حساس معاملہ ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کتاب کے شروع میں انھوں نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ لوگ تضحیک و تردید کا پرچم لیے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ امید بھی ظاہر کی ہے کہ جو لوگ اپنے اندر احکام شریعت کی وقعت و عظمت رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے اتقاء اور غیرت و ناموس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندانِ نبوی کے اتقاء اور غیرت و ناموس سے کم سمجھتے ہیں وہ بے دھڑک طریقِ شرعی پر چلنے کے لیے تیار ہوں گے۔ [۶] اسی امید کے پیش نظر انھوں نے مرد کی عورت پر فضیلت و برتری کے جاہلانہ تصورات کو یک قلم مسترد کرتے ہوئے درست اور حقیقی تصور کے حق میں دلائل دیے ہیں۔ مولوی صاحب نے منقولہ بالا آٹھ نکات میں سے ہر ایک کے متوازی اپنے موقف کی تفصیل دی ہے جس کا اجمال کچھ یوں ہے:

۱۔ دلیل اول جو قوت جسمانی کی فضیلت پر مبنی ہے محض ایک بے سند قول ہے جس کو کسی طرح دلیل نہیں کہہ سکتے۔ اگر قوت جسمانی کا تقابل ہی فضیلت کی دلیل ہے تو یہ تقابل مرد اور عورت کے بجائے بہ طور نوعِ حیوان مردوں اور چوپایوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ تو کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ چونکہ گدھا بوجھ اٹھانے میں کسی مرد سے زیادہ طاقت رکھتا ہے، یا ہاتھی اور اسی طرح کے عظیم الجثہ جاندار جو چونکہ جسمانی طاقت میں برتر ہیں اس لیے ان کو مردوں پر فضیلت حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قوت جسمانی فطری نہیں بلکہ اضافی خوبی ہے جس کی بنیاد تمدنی اوضاع پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'کابل کے آفریدی قوی ہیکل اور شدید القوہ ہیں اور کلکتہ کے بابو عموماً بودے اور پھسپھسے ہیں۔' اسی طرح غزنی و ہرات کی عورتوں کے قوی جسمانی کا مقابلہ کریں شرفاء دہلی و لکھنو کی بیگمات سے تو ظاہر ہو جائے گا کہ فرق اس قدر ذاتی و خلقی نہیں جس قدر تمدنی ہے۔' [۷]

۲۔ دوسری دلیل ناقص العقل ہونے کے بارے میں ہے۔ جسمانی طاقت کی طرح عقلی طاقت میں فضیلت کا یہ فسانہ بھی مردوں کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہے۔ اس کی کوئی سائنسی و طبّی اور علمی بنیاد نہیں۔ جسمانی طاقت کی طرح یہ بھی تمدنی وصف

ہے۔ من حیثیت الانسان مرد اور عورت کی دماغی ساخت میں فرق ہو سکتا ہے لیکن ذہنی لیاقت کا انحصار جسامت، یعنی چھوٹا بڑا ہونے کے نہیں بلکہ استعمالات کے تمدنی اوضاع پر ہے۔

۳۔ تیسری دلیل کہ فرقہ اناث میں سے کوئی نبی نہیں ہوا؛ ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں۔ اول یہ کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے ہم کتنوں کے بارے میں آگاہ ہیں؟ قرآن اور تمام عہد عتیق کے اندراجات کو ملا کر بھی یہ تعداد تیس کے لگ بھگ بنتی ہے۔ تو باقی کے انبیاء میں سب کا مرد ہونا ایک قیاسی دلیل ہی ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ ایک نبی مرد کی فضیلت، غیر نبی مردوں کی فضیلت پر دلالت کرے اور تمام ذکور اس فضیلت کی بنیاد پر عورتوں سے افضل قرار پائیں۔ 'کیا جو عزت و فخر حضرت آمنہ کو حاصل ہے کہ ان کے شکم اور کنار عاطفت میں فخر عالم و عالمیان نے پرورش پائی یا جو فضیلت ہر نبی کی والدہ ماجدہ کو اس امر سے حاصل ہوئی کہ اس کے شکم سے نبی پیدا ہوا وہ دنیا بھر کی تمام عورات کو حاصل ہو سکتی ہے، ہر گز نہیں۔'[۸]

مولوی صاحب کے خیال میں یہ تین دلیلیں دلائل عقلیہ سے تعلق رکھتی ہیں اور مزید کی پانچ دلیلوں کا تعلق دلائل نقلیہ سے ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ دلائل عقلیہ، علم معقول سے متعلق ہیں اور اس ضمن میں منطق و فلسفہ کی بحث ہی کسی مسئلے کے حل میں مکتفی ہوتی ہے۔ دلائل نقلیہ کا تعلق علم منقول سے ہے جس میں بحث کا محور علم قرآن و حدیث ہوتا ہے۔ ذیل کے نکات کا تعلق اسی زمرے سے ہے:

۴۔ مرد افضیلت و حاکمیت کے باب میں عموماً قرآن کی یہ آیت بیان کی جاتی ہے: الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم، اور اس کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور انھوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ مولوی صاحب کے نزدیک مسئلہ اس آیت کا ترجمہ اور اس ترجمے کی بنیاد پر کی گئی تفسیریں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ 'قوام' کا ترجمہ 'حاکم' کرنا درست نہیں۔ سوائے مولانا شاہ عبد القادر کے کسی نے یہ ترجمہ اختیار نہیں کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے 'قوام' کا ترجمہ قیام رکھنے والا کیا ہے۔ ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمتہ نے تدبیر کار کنندہ ترجمہ کیا ہے۔ ایک اور فارسی ترجمے میں جو سعدی کے ترجمہ کے نام سے مشہور ہے 'قوام' کا ترجمہ کار گزار کیا گیا ہے۔ اسی طرح آیت کے اگلے حصے میں بعضھم علی بعض کی تفہیم اور بما انفقوا من اموالھم کی تشریح و تفسیر میں بھی مسائل ہیں۔ مولوی صاحب کے خیال میں آیت مذکور کے الفاظ نہایت صریح و صاف ہیں۔ مرد عورتوں کے قوام یا

کار گزار یا متہم ہیں چونکہ دنیا میں کوئی امیر ہے کوئی غریب کوئی فیاض طبع کوئی بخیل اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے۔ پس تم جیسی استطاعت یا حیثیت یا معیشت رکھتے ہو اسی کے مطابق عورات کی کار گزاری و خدمت کرو۔ حاکمی و محکومی کا کچھ ذکر اس آیت میں نہیں ہے اور اگر ہے تو معنی متبادر سے عورتوں کی فضیلت اور مردوں کا ان کا خدمت گزار ہونا ثابت ہے۔[۹]

۵۔ دلائل نقلیہ میں سے آدم کو پہلے اور حوا کو بعد میں پیدا کیے جانے کی دلیل کی مذہب اسلام میں کوئی اصلیت نہیں۔ یہ عقیدہ کہ پہلے آدم پیدا ہوا پھر حوا؛ نصرانیوں اور یہودیوں کا ہے۔ قرآن مجید سے آدم اور اس کے جوڑا کی پیدائش میں کوئی تقدم و تاخر ثابت نہیں ہے۔

۶۔ قرآن میں دو عورتوں کی گواہی اور ترکہ میں مرد کے مقابلے میں نصف حصہ بھی مردانہ فضیلت میں ایک دلیل کے طور پر تذکرے میں آتا ہے۔ مولوی صاحب کے مطابق جس آیت کی رو سے ایک مرد کی شہادت، دو عورتوں کی شہادت کے مساوی قرار دی گئی ہے وہ آیت تمسک قرضہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس میں کہیں بھی بہ طور خلقت عورت کا مرد سے کمتر ہونا ثابت نہیں بلکہ ایک گواہ کی بھول کے احتمال پر دوسرے کی مددگاری کی بات ہے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں: 'جب قرآن مجید نے خود اس تفریق کی یہ وجہ قرار نہیں دی کہ عورت بلحاظ خلقت مرد سے نصف درجہ رکھتی ہیں تو بیچارے فقہا کس گنتی میں ہیں جو محض اپنے ذہن نارسا سے ایسے وجوہ فاسدہ اختراع کر کے نصف دنیا کی حق تلفی کریں۔'[۱۰] اسی طرح ترکہ میں مرد اور عورت کے غیر مساوی حصے مقرر کرنے سے مردوں کی فضیلت مطلق ثابت نہیں ہوتی۔ یہ عائلی معاملہ ہے ترکہ ءپدری اور شوہر کی طرف سے مہر کا حق وصول کرنے کے علاوہ اسلام میں عورت کے نان نفقہ کا اہتمام بھی مردانہ ذمے داریوں میں شامل کیا گیا ہے۔ پس بہ غور دیکھا جائے تو تقسیم ترکہ میں حصص شرعی مردوں کی فضیلت کا ثبوت نہیں بلکہ عورتوں کی فضیلت کی دلیل ہیں۔

۷۔ مردوں کے لیے ایک وقت میں چار عورتوں کا نکاح جائز ہونا اور اس کا عکس جائز نہ ہونا بھی ایک ایسی دلیل نقلی ہے جو مولوی صاحب کے نزدیک غلط بیانی اور تحکم کا نتیجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں: 'لوگوں نے قرآن مجید میں پڑھا فانکحو ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع، اور خوش ہو گئے کہ قرآن مجید میں چار بیبیاں تک نکاح میں لانے کی صریح اجازت موجود ہے۔ حالانکہ اگر ذرا غور و تعمق کے نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید سے کوئی اس قسم کی صریح اجازت نہیں نکلتی بلکہ ایک وقت مین ایک سے زیادہ نکاح کرنا بالکل ناجائز ثابت ہوتا ہے۔'[۱۱]

۸۔ مردوں کو حورانِ بہشتی ملنے کی دلیل پر مولوی صاحب کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے جن الفاظ پر یہ فرضی بزرگی ثابت کی جاتی ہے یہ ہیں: ولھم فیہا ازواج مطھرۃ یعنی ان کے لیے بہشت میں پاک جوڑے ہوں گے۔ ان الفاظ سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ 'ھم' جو ضمیر مذکر ہے مردوں کی طرف راجع ہے اور ازواج سے حوران بہشتی مراد ہیں مگر اس آیت کے یہ معنی سمجھنا قرآن مجید کے طرز خطاب اور خاص اسلوب کلام الٰہی سے ناآشنائی ظاہر کرتا ہے۔ قرآن مجید کا خاص طرز ہے کہ جس خطاب میں وہ مرد اور عورتوں کو شامل سمجھتا ہے اکثر اوقات اس کو صرف بصیغہ مذکر تغلیباً استعمال کرتا ہے۔ سینکڑوں جگہ قرآن مجید میں اقیمو الصلٰوۃ وأتوالزکاۃ بصیغہ مذکر آیا ہے۔ کیا یہ سمجھنا صحیح ہے کہ نماز اور زکٰوۃ کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے اور عورتیں اس سے معاف ہیں۔ ہر گز نہیں۔ دوسرے اس آیت میں زوج سے بی بی مراد سمجھنا بھی غلطی ہے۔ عربی میں زوج کے معنی جوڑے کے ہیں۔ عورت مرد کی زوج اور مرد عورت کا زوج کہلاتا ہے۔ پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے نیک اعمال ہوں گے وہ بہشت میں جائیں گے ان کو وہاں پاک جوڑے ملیں گے۔ یعنی مردوں کو عورتیں اور عورتوں کو مرد۔ یہاں ایک اور مغالطے تصحیح ضروری ہے۔ مولوی صاحب کے خیال میں 'قرآن مجید میں ایک آیت ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ حورانِ بہشتی کوئی جداگانہ مخلوق ہے جو مردوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں ہر سیاہ چشم گوری عورت کو حور کہتے ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز سب آدمی جوان اور یکساں عمر کے پیدا کیے جائیں گے' [۱۲]۔ یہ امر مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے بلکہ عورتوں کے بارے میں مردوں کی نسبت زیادہ صراحت ہے کہ انھیں خوبصورت اٹھان پر اٹھایا جائے گا۔

اس بحث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ کوئی تعصب نہیں برتا۔ مردوں کی حاکمیت، برتری اور فضیلت کا نظریہ سراسر ایک تمدنی مغالطہ ہے۔ اسلام کا اس تمدنی مغالطے سے کچھ تعلق نہیں۔ تاہم افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس تمدنی مغالطے میں اسلام کا نام استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ کام خود مسلمانوں کے ہاتھوں وجود پذیر ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس کے پس منظر میں ملوکی مطلق العنان سوچ کارفرما رہی ہے اور مردانہ حاکمیت کے زمانوں میں قرآن کی آیات کی من پسند تعبیرات سے مقتدرہ نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا اور وقتی طور پر اس سے لطف اندوز ہوئے۔ لیکن مسلم معاشروں پر اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے اور خدائی منشا کے برخلاف گھڑے ہوئے نظریات ذہنوں میں رچ بس گئے اور آج بھی بہت سے معاشرے انھی نظریات کی گرفت میں ہیں۔ حالانکہ قرآن میں اللہ نے مردوں کو عورتوں پر صنفی اعتبار سے کوئی برتری عطا نہیں کی۔ بلکہ عورتوں کے معاملے میں مردوں کو سورۃ نساء میں واضح ہدایت دی ہے۔ اس سورۃ کا آغاز ہی یاایھاالناس سے ہوتا ہے اور نفس سے

واحدہ سے خلق کیے جانے کی بات ہے۔ بہت صاف پیغام ہے کہ اے لوگو اپنے پرورگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک قسم کی جان سے پیدا کیا اور اسی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ اس سورۃ میں ورثا اور یتیموں اور عورتوں کے حقوق بیان کیے گئے ہیں اور ان کے حق میں بے انصافی سے منع کیا گیا ہے۔

تانیثیت کی تمام قسم کی تعریفوں کو ملحوظ رکھیں تو ان میں برابری کی بنیاد پر خواتین کے لیے حقوق کا تقاضا ہے۔ کیمبرج ڈکشنری کے مطابق:

> "1. The belief that women should be allowed the same rights, power, and opportunities as men and be treated in the same way.
>
> 2. An organized effort to give women the same economic, social, and political rights as men." [13]

تانیثیت کے باب میں یہ بنیادی تعریف ہے اور بہ طور تحریک اس کے کئی دھارے اب تک متشکل ہو چکے ہیں۔ جن میں سے ریڈیکل اور لبرل دھاروں [جو آگے چل کر موجودہ دور کی متعدد مریضانہ صورتوں میں ڈھل جاتے ہیں] سے ہمیں سروکار نہیں لیکن مین سٹریم فیمنزم کے تصورات کو ملحوظ رکھا جائے تو آزادی، تحفظ، حقوق اور شناخت کی جو آوازیں مغربی دنیا نے انیسویں صدی اور بعد کے زمانے میں سنیں، وہ آوازیں ایک پیغام اور ہدایت کی صورت میں اسلام نے بہت پہلے بنی نوع انسان کو عطا کیں اور نہ صرف عورت کی شناخت کو ابھارا بلکہ سماج میں اس کے باعزت مقام اور اس کے حقوق کا حکم نامہ سورۃ نساء کی صورت میں نازل کیا۔ اسلام نے عورت سے حقوق چھینے نہیں عطا کیے ہیں۔ اسے کسی کا غلام اور مطیع نہیں بنایا بلکہ بااختیار اور مضبوط کیا ہے۔ اب یہ ستم ظریفی ہی ہو گی کہ ہم خواتین کے حقوق کی بات مغربی تانیثیت سے آغاز کریں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مغربی تانثیت کے سب پھل میٹھے نہیں۔ اس میں تشکیک، خوف، ہراسانی، تنہائی اور انتہائی صورتوں میں مرد بیزاری، خود پرستی، خود نفسی اور ہم جنسیت کے کڑوے ذائقے بھی ہیں۔ پس جب ہم اسلام اور تانثیت یا اسلامی تانیثیت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد قرآن و حدیث کی روشنی میں جدید تمدنی زندگی میں عورت کی شناخت، آزادی اور حقوق کی توسیعی صورتیں ہیں۔ واضح بات ہے کہ تمدنی صورتیں بدل جانے انسانی کردار، افعال اور عادات میں فرق آتا ہے اور حقوق و فرائض کی نئی تعبیر لازم ہو جاتی ہے۔ موجودہ زمانے میں تانیثیت کے بنیادی تقاضے بجا تقاضے ہیں اور اگر یہ سمجھا جائے کہ اسلام ان تقاضوں پر قدغن لگاتا ہے [جیسا کہ بعض روایت پسند معاشروں میں یہ تصور رائج ہے]، تو یہ صداقت پر

مبنی بات نہ ہو گی۔ مولوی سید ممتاز علی نے انیسویں صدی کے اواخر میں جس اہم قضیے پر علمی گفتگو کی، وہ آج بھی بہ طور خاص پاک وہند کے سماج کو درپیش ہے۔ سر سید کی ریفارمیشن کی تحریک ملحوظ رہے تو خواتین کی تعلیم، ترقی، سماجی شناخت اور حقوق کے لیے مولوی صاحب کی خدمات، سر سید کی ہندوستانی مسلم کمیونٹی کے لیے خدمات کے ہم پلہ ہیں۔ رسالہ 'تہذیب نسواں' اور اپنی بلند پایہ تصنیف 'حقوق نسواں' کے ذریعے انھوں نے خواتین کے لیے جو انقلابی کام کیا اس سے اخذ واستفادہ کی راہیں آج بھی کھلی ہیں۔ مولوی صاحب کی رائے بھی یہی تھی اور ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ اسلام نے ترقی اور تبدیلی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم اپنی تنگ نظری کو اسلام سے منسوب کرتے اور خدا کی طرف سے کھولے ہوئے راستے بھی اپنی کم علمی کی بنا پر بند کرتے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں بجا طور پر یہ دعوٰی زیب دیتا ہے کہ عورت کو بہ طور عورت شناخت، حقوق اور تحفظ جس طور اسلام نے عطا کیے ہیں کسی اور مذہب یا فلسفیانہ فکر یا سماجی تحریک نے عطا نہیں کیے۔ پس ہم اسلامی تانیثیت کی اصطلاح نہ صرف استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں بلکہ اپنے زمانے، سماج اور تمدنی چلن میں بہ طور رہنما نظریہ ، یہ ہمارا افتخار ہے اور دنیا اس سے مستفید ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انیس ہارون، فیمنزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ: فیمنزم اور ہم، مرتبہ: فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۳-۱۲

۲۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی [مرتب]، مکتوبات سر سید [جلد دوم]، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۸۵ء، ص ۹۶-۹۵

۳۔ سید ممتاز علی، مولوی، حقوق نسواں، دار الاشاعت پنجاب، لاہور، ۱۸۹۸ء، ص ۶-۵

۴۔ ایضاً، ص ۷

۵۔ سید ممتاز علی، مولوی، تفصیل البیان فی مقاصد القرآن، دار الاشاعت پنجاب، لاہور، ۱۳۴۹ھ، ص ۴

۶۔ سید ممتاز علی، مولوی، حقوق نسواں، ص ۳

۷۔ ایضاً، ص ۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۵

۹۔ایضاً،ص۱۸-۱۵

۱۰۔ایضاً،ص۱۹

۱۱۔ایضاً،ص۲۲

۱۲۔ایضاً،ص۳۴

۱۳۔https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/feminism [visited 02-04-2024]